IQBAL REVIEW (67: 2)
(April – June 2026)
ISSN(p): 0021-0773
ISSN(e): 3006-9130

کلامِ اقبال میں وحدتِ امت کا تصور: فکری بنیادیں اور عصری تقاضے

The Concept of the Unity of the Ummah in Iqbal's Poetry:
Intellectual Foundations and Contemporary Relevance

ڈاکٹر علی محمد بٹ،
اسسٹنٹ پروفیسر،
شعبہ اسلامک اسٹیڈیز،
اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی،
اونتی پورہ

ڈاکٹر مُجیب لیاقت،
اسسٹنٹ پروفیسر،
شعبہ جرنلیزم اینڈ ماسکمنیکیشن،
اسلامک یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹکنالوجی،
اونتی پورہ

ABSTRACT

This article critically examines the concept of unity in the poetic and intellectual thought of Allama Muhammad Iqbal, with particular reference to its philosophical foundations, Qur'anic background, and practical relevance for the Muslim Ummah. The study begins with the intellectual concerns identified by Shah Wali Allah in the eighteenth century, especially the weakening of the Muslim understanding of unity, which gradually led to political, theological, social, and spiritual fragmentation. Against this background, the article explores how Iqbal revived the idea of unity by linking it with the principle of Tawhid, the Qur'anic concept of Ummah, and the spiritual reconstruction of Muslim collective life. The article argues that, for Iqbal, unity is not merely a political slogan or emotional appeal; rather, it is rooted in the metaphysical truth of the oneness of God and must manifest itself in the moral, social, and political organization of the Muslim community. Iqbal strongly criticizes Western nationalism, territorialism, racial pride, and sectarian divisions because these forces weaken the universal brotherhood of Islam and destroy the collective identity of the Ummah. His concepts of Khudi, Millat, and Islamic solidarity are presented as essential instruments for the revival of Muslim dignity and collective consciousness. The study also highlights Iqbal's emphasis on the Qur'an, Prophetic teachings, Hajj, Islamic brotherhood, and the centrality of the Ka'bah as symbols and practical expressions of Muslim unity. It concludes that Iqbal's message of unity remains highly relevant in the contemporary world, where the Muslim Ummah continues to suffer from internal divisions, ideological confusion, and political disunity. Therefore, a serious engagement with Iqbal's thought can provide an effective intellectual and spiritual framework for the reconstruction of Muslim collective life.

Keywords:
Unity of Ummah, Tawhid, Khudi, Millat, Islamic Brotherhood, Muslim Nationalism, Qur'anic Thought, Shah Wali Allah, Contemporary Muslim World

اٹھارویں صدی عیسوی کے اختتام پر جن فکری و تہذیبی خطرات کی نشان دہی شاہ ولی اللہؒ نے کی تھی، ان میں سب سے سنگین مسئلہ مسلمانوں کے ہاں تصورِ وحدت کا کمزور پڑ جانا تھا۔ اس فکری انحطاط کے نتیجے میں مسلمان سیاسی، اعتقادی، سماجی اور روحانی سطح پر انتشار کا شکار ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ تصور گروہی وابستگیوں اور فقہی اختلافات کی نذر ہو کر اپنی اصل روح سے محروم ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ بیسویں صدی تک اس کی حقیقی معنویت تقریباً ماند پڑ چکی تھی۔ گرچہ شاہ ولی اللہؒ نے اٹھارویں صدی ہی میں اس تصور کو اس کی اصل بنیادوں پر قائم رکھنے کے لیے بھرپور علمی و اصلاحی جدوجہد کی، تاہم بعد کے ادوار میں مسلمان اس فکری وحدت کو برقرار نہ رکھ سکے۔ بعد ازاں متعدد علما و فضلا نے اس کی حقیقت کو واضح کرنے کی کوشش کی، مگر علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے شعری و فکری اظہار کے ذریعے تصورِ وحدت کو نئی زندگی عطا کرنے اور اسے دوبارہ اجتماعی شعور کا حصہ بنانے کی غیر معمولی سعی کی۔ اس مقالے میں کلامِ اقبال میں تصورِ وحدت: فکری اساس اور عملی معنویت کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تا کہ اس کی اصل اور اس کی اساس کو اُجاگر کیا جائے۔

ابتدائیہ

علامہ اقبال بیسویں صدی کے اُس عبقری اور کثیر الجہات شخصیت کا نام ہے جس نے اپنی صداقت، سچائی اور ذوق علم سے اپنا لوہا منوا کر 'شاعر مشرق' کا لقب اور تخلص 'سر' حاصل کیا ہے اور اس کو دنیائے ادب نے تسلیم بھی کیا ہے، علامہ اقبال کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی انتھک کوششوں، دانش برہانی اور فکر اور نظریاتی جدوجہد سے مسلماناں برصغیر کو جگانے کی بھرپور کوشش کی ہے علامہ اقبال ایسی عبقری شخصیت تھی جنہوں نے مردہ دلوں میں حقیقت سمانے اور پورے مشرق میں خودی وخود اعتمادی عزت نفس جہاں بینی اور جہاں بانی کی حقیقی روح پیوست کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اُن کی شاعری میں کچھ کرنے اور حق تعالی کے ساتھ جڑ جانے اور انسانوں کے اندر وحدت کا ولولہ پیدا کرنے کی صلاحیت آج بھی موجود ہے۔

پھُونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے
زندگی کی قُوّتِ پنہاں کو کر دے آشکار
تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے

خاکِ مشرق پر چمک جائے مثالِ آفتاب
تا بدخشاں پھر وہی لعلِ گراں پیدا کرے[1]

اقبال نے ملت کا درس دیا اور وہ وحدت کے قائل شاعر تھے انہوں نے اپنے کلام میں شاعری کا وہ اسلوب اختیار کیا جس میں مذہبی رنگت زیادہ اور انسان کے مقصد پیدائش کو خوب سراہا۔ اقبال نے اُمت کے ماننے والوں کو کو اپنا کھویا ہوا وقار اور لٹی ہوئی آبرو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے ولولہ پیدا کیا اور زور دیا کہ اگر اس سے ذرا برابر بھی غفلت برتی تو بربادی مقدر بن جائے گئی بلکہ انہوں نے مغرب کے غیر انسانی تعقل اور فتنہ پردازی پر مبنی تجربہ ومشاہدہ کے سائنٹفک منہاج کو وحی الٰہی اور پیغمبرانہ اسوہ سے روشن کر کے انسانیت کے لئے رحمت اور بِلا آمیزش ارتقاء کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی۔ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں طنزومزاح کے اسلوب کے بدلے ایک ایسا شعور پیوست کیا جو مغربی سرمایہ دارانہ نظام اور اس سے پیدا ہونے والے مغربی تہذیب وتمدن کی بنیادی خامیوں سے آگاہ کرتا ہے انہوں نے ایک ایسے فہم وفراصت وادراک سے آشنا کیا جو قدیم تا جدید زندگی پر محیط تھا۔

زندگی کی قُوّتِ پنہاں کو کر دے آشکار
تا یہ چنگاری فروغِ جاوداں پیدا کرے
خاکِ مشرق پر چمک جائے مثالِ آفتاب
تا بدخشاں پھر وہی لعلِ گراں پیدا کرے
سُوئے گردُوں نالۂ شب گیر کا بھیجے سفیر
رات کے تاروں میں اپنے رازداں پیدا کرے
یہ گھڑی محشر کی ہے، تُو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے[2]!
نہیں مقام کی خُوگر طبیعتِ آزاد
ہُوائے سیر مثالِ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھُوٹے
خودی میں ڈُوب کے ضربِ کلیم پیدا کر[3]

عصر حاضر میں جن حالات سے مسلم اُمت گذر رہی ہے اُن میں تصور وحدانیت بھی ایک ہے یہ بہت سے تعلیمی حلقوں میں بحث کا موضوع بنا ہوا ہے اس وحدت کا مقصد وحدانیت کو اپنی زندگی میں جذب کرنا ہے تاکہ وحدت و اتحاد جس کی طرف اسلام بار بار دعوت دیتا ہے اور تاکید کرتا ہے جس امت کا دین ایک، دینی شعائر ایک، شریعت و قانون ایک، منزل ایک اور خدا اور رسول ایک ہو، اسے بہر حال خود بھی ایک ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے جہاں امت کو ایک ہو کر اللہ کی رسی کو پکڑنے کی تاکید کی ہے اور افتراق و انتشار سے روکا ہے، وہاں خطاب واحد کے بجائے جمع کے صیغوں سے کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر فرد جزو امت ہے وہ کسی صورت میں امت سے جدا نہیں ہو سکتا ہے۔ وحدت امت کی فرضیت، اہمیت اور ضرورت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ شریعت اسلام نے امت کو دن میں پانچ بار جمع ہو کر نماز قائم کرنے کا حکم دیا، پھر ہفتہ میں ایک بار اس سے بڑے اجتماع کے لئے جمعہ کو فرض قرار دیا اور پھر نماز عید کی شکل میں سالانہ اجتماع کا اہتمام کیا اور تاکید کی کہ یہ اجتماع آبادی سے نکل کر کھلے میدان میں منعقد ہو اور مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی اس میں شرکت کی ترغیب دی پھر اس سے بڑا اہتمام یہ کیا کہ فرضیت حج کے ذریعہ مشرق و مغرب، جنوب شمال اور دنیا کے اطراف و اکناف میں بسنے والی امت کو ایک مرکز پر جمع ہونے، ایک ہی جیسے لباس میں جمع ہونے، ایک ہی کلمہ ادا کرنے اور ایک ہی جیسے افعال ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ انفرادی عبادت کے مقابلہ میں اجتماعی عبادت کی جو اہمیت ہے اس میں من جملہ دوسری باتوں کے امت کے اتحاد کا نکتہ بھی شامل ہے۔ ''پیغام وحدت امت'' خالصتاً فکر اسلامی ہے جس پہ کوئی وہم کا گذر بھی نہیں۔ تصورِ اتحادِ امت اسلامی تصور ہے جس کا مرکزی نقطہ انفرادیت کو اجتماعیت میں ضم کرنا ہے۔ حضرت اقبال نے جب یورپی قومیت کا پورے طریقے سے تجزیہ کیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قومیت ایک سیاسی نظام کی حیثیت سے غیر انسانی نظام ہے۔

علامہ محمد اقبال جدید اسلامی ہمہ جہت فکر اور چراغِ مصطفوی کے امین ہیں۔ وہ مغربی فکر کے پرداختہ اور گرویدہ نہیں بلکہ پرائے چراغ کے ناقد تھے۔ ان کا ''پیغام وحدت امت'' خالصتاً فکر اسلامی ہے اور اس تصور کو اُجاگر کرنے کے لئے انہوں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا وہ مسلم اُمت کو یہ باور کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ دنیا میں بے جا پیدا نہیں کئے گئے بلکہ اُن کی مقصد حیات پوری نوعِ انسانی آدم

کے او دلا اور وحدانیت کے پیکر ہیں اپنے مفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال کر انسان کو ایک نئی نوید سے آشنا ہونا ضروری ہے جس پہ کوئی وہم کا گذر بھی نہیں۔

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ، نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر دل فطرت شناس دے تجھ کو
سکُوتِ لالہ و گُل سے کلام پیدا کر
اُٹھا نہ شیشہ گرانِ فرنگ کے احساں
سفالِ ہند سے مِینا و جام پیدا کر[۴]

تصورِ وحدتِ اسلام دراصل وہ ہمہ گیر نظریہ ہے جو انسان کو براہِ راست اللہ کی وحدانیت سے وابستہ کرتا ہے۔ اس تصور کا بنیادی مقصد فرد کی انفرادیت کو اجتماعیت میں مدغم کر کے اسے مرکزِ وحدانیت میں جذب کرنا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے جب یورپی قومیت کا نہایت باریک بینی سے مطالعہ کیا اور اس کے ہر پہلو کا گہرائی سے جائزہ لیا تو وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ قومیت ایک ایسا تصور ہے جو الٰہی فلسفے سے محروم ہے۔ یہ نظریہ انسانوں کو کبھی زبان کی بنیاد پر اور کبھی رنگ و نسل کے امتیاز پر تقسیم کرتا ہے۔ اسی بنا پر علامہ اقبالؒ نے قومیت کو محض ایک سیاسی فلسفہ قرار دیتے ہوئے اسے انسانی فطرت کے منافی نظام سے تعبیر کیا ہے۔

'قُلْ هُوَ اللہ' کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس راز سے واقف ہے نہ مُلّا، نہ فقیہ[۵]

قومیت کے جو عملی نتائج یورپ میں انہوں نے دیکھے خاص کر دو عالمی جنگوں کے ذریعے وہ پوری دنیا کے سامنے آئے علامہ اقبال کو یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ یہ جذبہ قومیت اسلامی ممالک کے لئے زہر قاتل سے کم نہیں ہے۔ جب سلطنت عثمانیہ کے خلاف عرب ممالک کو قوم پرستی کے نام نے انگریزوں کو مدد دی اُس وقت مسلم اتحاد کا جنازہ نکل گیا اور ملی تصور کا اختتام زوال پزیر ہوا ہے۔ علامہ اقبال وسیع مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ وطن، وحدتِ ملت کی ضد ہے۔ اس لئے تصورِ قومیت کے مفاسد، قبائح، عواقب کی وضاحت کے بعد تصور ملت اور اس کی اہمیت کی وضاحت پیش کی۔ اس کے غلط ثمرات کے بارے میں وہ لکھتے ہیں

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بِنا کی روشِ لُطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کِیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبَوی ہے[۶]

''علامہ اقبال نے قومیت کی بلا جھجھک مخالِفت کر کے اس کے مختلف غیر انسانی پہلوؤں کو مادیت اور الحاد کے ساتھ تعبیر کی ہے ان کو انہوں نے دور حاضر کی انسانیت کے لئے شدید ترین خطرات کا سر چشمہ قرار دیا ہے۔ جس طرح انسان کو اپنے قریبی رشتوں سے محبت ہوتی ہے اسی طرح وطن سے محبت ایک فطری امر ہے یہ کبھی بھی مذہب اور الٰہیت سے بر تر نہیں ہو سکتا ہے۔

تم فرماؤ: اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا خاندان اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ تجارت جس کے نقصان سے تم ڈرتے ہو اور تمہارے پسندیدہ مکانات تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (التوبۃ، :۲۴)

علامہ اقبال اسلام کو ایک فطری دین گردانتے تھے اس لئے جو دین فطرت سے ہم آہنگ ہو اس سے زندگی کے تمام شعبہ جات کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے اس دین کی رہنمائی اللہ کی کتاب فرقان حمید سے حاصل ہو جاتی ہے اس لئے اللہ کی کتاب جو توحید باری تعالیٰ کی غمازی کرتی ہے اس لئے توحید (یعنی اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا) حق اور باطل کے درمیان تمیزی کرنے کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

ترے سینے میں ہے پوشیدہ رازِ زندگی کہہ دے
مسلماں سے حدیثِ سوز و سازِ زندگی کہہ دے
خدائے لم یزل کا دستِ قُدرت تُو، زباں تُو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گُماں تو ہے[۷]

اسلام کا آغاز ہی وحدانیت کے اصولوں کی بنیاد پر ہوا ہے اور اس کے اولیں ماننے والوں نے اپنی عمل سے ثابت کرکے دِکھایا کہ اللہ کو ماننے والے اپنے عمل سے اللہ کی وحدانیت کا ثبوت دیتے ہیں، توحید مسلمان کا زرِ اصل تھا اور آج بھی ہونا چاہیئے جس طرح اس مقصد کے ارد گرد ساری زندگی گھومتی تھی آج بھی ایسا ہونا چاہیئے۔ انہوں نے پیدائش کا اصل مقصد سمجھ لیا تھا وہ توحید کے مقتضا پر عمل کرکے دُنیا میں قوت اور شان وشوکت کے مالک تھے۔ وہ عمل اور قول میں یکتا تھے مقتضا پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو زبان سے کہتے تھے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی اطاعت نہیں کرتے، تو واقعی اُن کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا[8]

علامہ اقبال جیسے مفکر قرآنی نظریہ اُمت کی ترجمانی کرتی ہے یہ کہنا بجا ہو گا کہ انہوں نے برصغیر ہند کے مسلم سماج کو مقصد حیات سمجھانے اور وحدت کی اہمیت اور افادیت کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے افکار ملت کو راستہ دکھاتے ہیں۔

زندہ قُوّت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسئلہ، علم کلام[9]

تصورِ خودی درحقیقت قرآن کے پیش کردہ تصورِ نیابتِ الٰہی کی ایک عمیق فلسفیانہ توضیح ہے۔ فکرِ اقبال کے مطابق فرد کی اصل حقیقت خودیِ جماعت سے وابستہ ہوتی ہے، اسی تناظر میں افراد کے باہمی روابط اور جماعت کی مضبوطی محض ظاہری نہیں بلکہ ایک داخلی اور معنوی رشتہ رکھتے ہیں۔ امت کا تصور مسلمان کی زندگی میں اسی طرح مرکزی حیثیت رکھتا ہے جس طرح سر کا تعلق جسم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر فرد کو موج اور جماعت کو دریا تصور کیا جائے تو وحدت اس بہاؤ کی درست سمت متعین کرنے والی قوت بن جاتی ہے۔ یوں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ فرد کی زندگی اور اس کی معنویت قومی و اجتماعی حیات ہی پر قائم و منحصر ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہاء کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں[10]

قومیت اور وطنیت کا یہ تصور حب جاہ کے خواہاں افراد کے لیے وہ نسخۂ کیمیا تھا جو ان کی خواہش کی تکمیل کی راہ کو قدرے آسان بنا دیتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ اتحاد انسانی کے لیے ایسا خطرہ ہے جس سے انسانی عظمت کے زائل ہونے کا اندیشہ قوی ہے۔ ان حالات میں اقبال عظمت انسانی کی بقا کے لیے اسلام کے اس نظام حیات کی تائید کو ضروری قرار دیتے ہیں جو حریت و مساوات کی راہ میں رنگ و نسل کے امتیازات سے ماوراہونے کے ساتھ ساتھ نوع انساں کو ایک مرکز اتحاد پر مجتمع کرنے کا ذریعہ ہے۔ اپنے اس نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے:

> اسلام ایک قدم ہے نوع انسانی کے اتحاد کی طرف۔ یہ ایک سوشل نظام ہے جو حریت و مساوات کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ پس جو کچھ اسلام کے متعلق لکھتا ہوں اس سے میری غرض محض خدمتِ بنی نوع ہے اور کچھ نہیں اور میرے نزدیک عملی نقطۂ خیال سے صرف اسلام ہی انسانی معیار کو حاصل کرنے کا ایک کارگر ذریعہ ہے۔ باقی ذرائع محض فلسفہ ہیں۔ خوشنما ضرور ہیں مگر ناقابل عمل ہیں۔[11]

عصرِ حاضر میں ملتِ اسلامیہ شدید ترین انتشار اور تفرقے کا شکار نظر آتی ہے۔ اس کے پیروکار نہ اپنی دینی تعلیمات کی قدر و اہمیت سے آگاہ ہیں اور نہ ہی ان کے عملی تقاضوں کا شعور رکھتے ہیں۔ یہ ملت مسلکی تنازعات اور قومیت و وطنیت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں اس حد تک الجھ چکی ہے کہ ہر مسجد کا منبر نفرت اور اشتعال کی علامت بن کر رہ گیا ہے، جبکہ مسلمانوں کی پارلیمانیں ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف دکھائی دیتی ہیں۔ وطنیت اور قومیت کے اس تصور کا سب سے بڑا نقصان خود مسلمانوں کو ہی برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔ عالمِ اسلام کے ہر دور کے نامور مفکرین اور جلیل القدر دانش وروں نے اتحادِ بین المسلمین پر مسلسل زور دیا ہے، جن میں امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، ابن خلدونؒ، شاہ ولی اللہؒ، مولانا مودودیؒ اور علامہ اقبالؒ نمایاں ہیں۔ خصوصاً جمال الدین افغانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، علامہ اقبالؒ اور مولانا مودودیؒ کا عہد مسلمانوں کے زوال اور استعمار کے عروج کا زمانہ تھا۔ یہ وہ دور تھا جب امت فکری انحطاط اور نظریاتی اختلافات کے شدید بحران سے دوچار تھی، جس کے اثرات آج بھی امتِ مسلمہ بھگت رہی ہے۔ ان مفکرین نے امت کی زبوں حالی اور سامراجی قوتوں کی کامیابیوں کا گہرائی سے تجزیہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچے کہ مخالف طاقتیں فکری اور نظریاتی اتحاد کے سبب مضبوط ہوئیں۔ اسی تناظر میں انہوں نے مسلم امت کو ایسے نازک دور میں "اسلام کی طرف رجوع" کا پیغام دیا، تاکہ مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بننے کے بجائے ایک دوسرے کے غم خوار اور مددگار بن سکیں۔ علامہ اقبال نے اس پورے تصور کو نہایت جامع انداز میں یوں سمیٹ دیا:

قوم گویا جسم ہے، افراد ہیں اعضائے قوم
منزل صنعت کے رہ پیما ہیں دست و پائے قوم
محفلِ نظمِ حکومت چہرۂ زیبائے قوم
شاعرِ رنگیں نوا ہے دیدۂ بینائے قوم
مبتلائے درد کوئی عضو ہو ، روتی ہے آنکھ
کس قدر ہمدرد سارے جسم کی ہوتی ہے آنکھ[۱۲]

پردۂ دل میں محبّت کو ابھی مستور رکھ
یعنی اپنی مے کو رُسوا صُورتِ مِینا نہ کر
خیمہ زن ہو وادیِ سِینا میں مانندِ کلیم
شُعلۂ تحقیق کو غارت گرِ کاشانہ کر[۱۳]

عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھنے کے لئے جو تشریح علامہ اقبال نے پیش کی ہے وہ اُن کے کلام کی شیرینی سے چھلکتی نظر آتی ہے انہوں نے اپنے شاعرانہ کلام میں ملت کو سنوارنے اور انھیں سیدھی راہ پر لانے کی کوشش میں زیادہ کامیاب نظر آتے ہیں، اس کے برعکس دینی جماعتوں نے اختلاف رائے کو عقیدے کے طور پیش کرتے ہوئے ملتِ اسلامیہ کو مزید کھوکھلا کر دیا جس طرح کے استعارے اور مشابہ اپنائے اُن پر غور کر کے ہر حقیقت پسند کے خون میں ولولہ اور کام کرنے کا جذبہ رواں ہو جاتا ہے اور اس سے نسان کے اندر دوام پیدا ہو جاتا ہے۔علامہ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ ساری دنیا میں پھیلے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو قرآن پاک اور احادیث نبوی کی تعلیمات دی ہیں۔انہوں نے انسان کو وجود پر تفکر کرنے کی صلاحیت کو استعمال کرنے کی تعلیم دی۔ کیونکہ جو اندھی تقلید کے متوالے ہوتے ہیں وہ عقل پر تالے لگا کر ہر چیز کو قبول کرتے ہیں وہ اُن کے ایمان کو جذبہ ایثار سے خالی پاتا ہے

خِرد نے کہہ بھی دیا 'لااِلہ' تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں[۱۴]

قرآں کا بنیادی مقصد وحدت انسانیت ہے تاکہ کوئی کبھی فرد اور قوم نا انصافی کا شکار نہ ہو اور وہ اخوت، مساوات اور انصاف کے دائرئے میں رہ کر اپنا مقام حاصل کر سکے جس کو علامہ اقبال نے خودی کا نام دیا ہے کیونکہ خودی میں ہی انسانی کبریائی اور خدائی پنہاں ہے۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی[۱۵]

جدید دور میں مسلم نسلِ نو کی تعمیر اسلام کے بنیادی اصولِ توحید پر استوار ہونا ناگزیر ہے، لہٰذا توحید کو دنیاو آخرت، روح و جسم اور فطرت و مافوق الفطرت کی تقسیم سے بالاتر ہو کر ایک جامع وحدانی تصور کے طور پر اپنانا ضروری ہے۔ علامہ اقبال کی طرح علی شریعتی بھی انسان کو اس کی اصل حقیقت، یعنی توحید اور خودی، کی طرف رجوع کی دعوت دیتے ہیں۔ علامہ محمد اقبال عالمی سطح پر "شاعرِ مشرق" کے طور پر پہچانے جاتے ہیں اور اپنے نظریۂ خودی کے ذریعے ایک ملت کی فکری تشکیل اور نظریاتی ریاست کے تصور کو واضح کر چکے تھے، جسے وہ مسلمانوں کی عزت اور مستقبل کی ضمانت قرار دیتے ہیں۔ اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے زوال کی بنیادی وجہ باہمی انتشار، انفرادی مفادات کی بالادستی اور فکری تربیت کا فقدان تھا، جس کے باعث وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے سے محروم ہو گئے۔ اسی فکری و نظریاتی بیداری کے لیے انہوں نے اپنی شاعری اور ۱۹۳۴ء میں لاہور سے جاری ہونے والے روزنامہ احسان کے ذریعے نوجوانوں میں خودی، جرات، اخوت اور وحدت کا شعور بیدار کرنے کی کوشش کی، اگرچہ اس جدوجہد میں انہیں مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا۔

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند[۱۶]
اے کہ غلامی سے ہے روح تیری مضمحل
سینۂ بے سوز میں ڈھونڈ خودی کا مقام[۱۷]

قرآن کریم میں جس مسلم یا مومن کے کردار کا ذکر ہے اس سے ایسا لگتا ہے کہ وہ مسلمان دنیا سے غائب ہو گئے ہیں یا ایسا لگتا ہے کہ وہ تھے ہی نہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ منقسم ملت مسلمانوں کی ہے وہ

ایک دوسرے کے دست و گریبان ہیں پاکستان، عراق، سیریا، لیبیا، یمن، مصر جیسے ممالک افراتفری کے شکار ہونے کے ساتھ ساتھ انتشار کے شکار ہیں۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے ایران کے سوا ہر مسلم مُلک نظریاتی ماحول سے خالی ہے۔اس لئے انتشار اور افراتفری کے ماحول کو علامہ اقبال نے اپنے شاعرانہ کلام میں یوں بیان کیا ہے:

شور ہے ہو گئے دینا سے مسلماں نابود
ہم یہ کہتے ہیں کہ تھے بھی کہیں مسلم موجود
وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو![۱۸]

اقبال کے نزدیک مسلمانوں کی مثال اس ماہی بے آب کی سی تھی، جو علم و حکمت کے سمندروں میں پلی بڑھی تھی، لیکن غفلت نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ اسے یہ احساس ہی نہیں کہ وہ جس سمندر کی طلب کر رہی ہے، خود اسی سمندر میں اب بھی غوطے کھا رہی ہے۔ اقبال کے نزدیک امت مسلمہ علوم و فنون کے بحر بیکراں کی پروردہ ہونے کے باعث ہر لحاظ سے دوسری اقوام سے بے نیاز اور غنی ہونے کے باوجود بھٹکتی پھر رہی ہے اور اپنے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی کے لئے دوسروں سے رہنمائی اور مدد کی طالب ہے۔ اقبال نے امت کی حقیقی شناخت کھو جانے کا حل اُمت کی خودی کو زندہ کرنے میں پایا ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحان ثبات
خودی ہے زندہ تو دریا ہے بے کرانہ ترا
ترے فراق میں مضطر ہے موج نیل و فرات
خودی ہے مردہ تو مانند کاہ پیش نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطان جملہ موجودات[۱۹]

اقبال جہاں خودی کو زندہ کرنا چاہتے ہیں، وہاں یہ بات بھی واضح کرنا چاہتے تھے کہ وہ کسی علاقائی، جغرافیائی یا لسانی خودی کو زندہ نہیں کرنا چاہتے، بلکہ وہ امت کے ہر فرد کو مسلمان ہونے کے ناطے اپنی خودی اور شناخت کو زندہ رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے کلام میں فرماتے ہیں:

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے[20]

اقبال کے نزدیک ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمان اپنے اصلی مقام کو سمجھے اور غلامی کا طوق اپنے گلے میں دیکھ کر شرمندگی محسوس نہ کریں بلکہ اس غلامی کے طوق کو آزادی میں تبدیل کرنے کی کوشش کرے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے علامہ اقبال پورے عالم اسلام کے لئے ایک مرکز اور پلیٹ فارم کے خواہاں تھے اُن کے کلام میں مرکزِ توحید کی رہنمائی اور وحدت مسلم کی بقاء پر منحصر مانتے ہیں آپ کے بقول:

قوموں کے لئے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے، خدائی[21]

انیسویں صدی میں علامہ اقبال نے احیائے اسلام کے مشن کو اپنے سر لیا اور وہ اس کے سب سے بڑے علم بردار بن گئے تھے وہ چاہتے تھے کہ مسلمان قرون اولیٰ کے طرز زندگی اختیار کرکے اسلاف کے راستے پر گامزن ہوں۔ اس لئے انہوں نے اخوت اسلامی کی بنیاد پر ملت اسلامیہ کا ماڈل پیش کیا تاکہ سارے عالم کے مسلمان کلمہ گوئی کی بنیاد پر ایک وحدت پر قائم رہئں اور ملت اسلامیہ کی ساخت بین الاقوامی سطح پر توحید کی سیاسی قوت کا مظہر بن سکے۔ وہ چاہتے تھے کہ مساوات، اخوت اور آزادی اسلامی اصولوں پر منحصر ہوسکے اور کعبہ کی مرکزیت کے بنیاد پر اس ملت کو عالمی سطح پر اپنا ایک مقام حاصل ہو۔

ربط و ضبطِ ملّتِ بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصارِ دیں میں ہو
مُلک و دولت ہے فقط حِفظِ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر[22]

مسلم اُمت کا عصر حاضر میں اگر صدقِ دل سے تحقیق کی جائے تو عالم اسلام کی بقاء پیام اقبال کے وحدت ملت اسلامی پر مضمر ہے۔ اگر مسلم دنیا اس جذبے سے خالی ہے تو اختلاف اور آپسی آویزش ممکن ہے اس رنجش کو مسلم دنیا میں واضح طور اور آسانی سے محسوس کیا جا سکتا ہے پچاس سے زائد مسلم ممالک اس وقت باہمی اختلاف، نااتفاقی اور باہمی رسہ کشی کے شکار ہیں۔ حال یہ ہے کہ برادر اسلامی ممالک ایک دوسرے کی مدد کرنے کے بجائے ایک دوسرے کی تباہی کے منتظر ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم دشمنوں کے اعلیٰ کاربن کے رہ گئے ہیں۔ اس لئے یہ کہنے کے لئے اقبال مجبور ہو گیا کہ ترک قرآن ہماری بربادی کی اہم وجہ ہے اس لئے رجوع الیٰ القرآن وقت کی اہم ترین ضرورت ہے اس لئے کہ پیام اقبال جو بلواسطہ اور بلاواسطہ ۷۰۰ آیات قرآن کی ترجمانی کرتا ہے کو عام کیا جائے کیونکہ علامہ اقبال نے پوری علمی و فکری جہت سے امت مسلمہ کو اختلاف رنگ و بو اور قومیت کے جادو سے نکال کر وحدت امت اور اسلامی اخوت کے مقاصد حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔ پیغامِ وحدتِ ملت، پیغام اتحادِ امت، تصورِ ملتِ بیضا، فکرِ ملتِ احمد مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کلام اقبال میں مسلم رہنمائی کے لئے کافی ہیں اِن تمام کو افکار و تصوراتِ اقبال میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ اس تصور کا مرکزی نقطہ فرد و ملت کا ربط۔۔۔ خودی کا بے خودی ہونا۔۔۔ قطرے کا قلزم ہونا۔۔۔ کوکب کا کہکشاں شمار ہونا۔۔۔ موتی کا لڑی میں پرویا جانا ہے لیکن اس وقت بہت سارے لوگ لندن اور جنیوا کو اپنا قبلہ اور مرکز بنا چکے ہیں، انھیں جو کچھ ادھر سے حکم ملتا تھا، وہ اسی کے سامنے سر خم کرتے ہیں۔ چنانچہ اقبال نے مسلمان اُمت کو مخاطب کر کے فرمایا:

تیری دوا نہ جنیوا میں ہے، نہ لندن میں
رنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے
تہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا
شاید کرہ ارض کی تقدیر بدل جائے[۲۳]

مسلم وحدت کو سب سے زیادہ نقصان عرب قومیت سے ہوا ہے اس قومیت نے مسلمانوں کا شیرازہ بکھیر دیا ہے علامہ اقبال خلافت عثمانیہ کے زوال کو اُمت کے لئے سب سے بڑا دھچکا تصور کرتے ہیں کیونکہ اس کے بعد مسلم دنیا کبھی بھی ایک نہ ہو سکی اور مسلمانوں نے متحدہ پلیٹ فارم کھو دیا، شعوری

یا لاشعوری طور پر ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد دینی و ثقافتی روایات کو پامال کرنے میں غیروں کا ہاتھ بٹا رہے تھے۔ جیسا کہ اقبال ایک جگہ پر فرماتے ہیں:

فتنۂ ملت بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے ![۲۴]
یہ مصرعہ لکھ دیا کس شوخ نے محراب مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقت قیام آیا[۲۵]

کلام اقبال کے بغور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی مذہبی قیادت سے بیزار ہے۔ وہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان تصور ملت اور وحدت اُمت کے نظریئے سے سرشار ہو اور وہ ذہنی مغلوبیت کو چھوڑ کر مقاصد اُمت کو ترجیح دیں اس لئے اقبال کو جو سب سے بڑی مشکل نظر آ رہی تھی، وہ امت کی دینی قیادت یعنی علماء میں سیاسی و اجتماعی شعور کا فقدان تھا، ان کے نزدیک مدارس میں شاہین بچوں کو خاکبازی کا درس دیا جانا ملت کے ساتھ بہت بڑی خیانت ہے۔ اس لئے کہ انہی بچوں کو آگے چل کر ملت کی قیادت اور سیادت سنبھالنی ہے۔ اس لیے وہ دوٹوک الفاظ میں نااہل مذہبی رہبروں کی رہبری کے نفسیات غلامی کے بارے میں ذکر کرتے ہیں:

شاعر بھی ہیں پیدا، عُلما بھی، حکما بھی
خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضامند
تاویل مسائل کو بناتے ہیں بہانہ[۲۶]

علامہ اقبالؒ کے کلام میں ملت کا گہرا درد نمایاں ہے، جس کے ذریعے وہ اس قوم کو جھنجھوڑتے ہیں جس کی رگوں میں رسولِ اکرم ﷺ کا خونانی پیغام رواں ہے مگر جو وحدت کے عملی تصور سے محروم ہو چکی ہے۔ اسی وحدت کو دوبارہ زندہ کرنا اقبالؒ کی شاعری کا مرکزی مقصد ہے، اسی لیے ان کا کلام اسلام اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کی بازیافت کی شدید آرزو کا ترجمان ہے۔ اقبالؒ امتِ مسلمہ کو دیگر اقوام پر فوقیت دیتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک قومِ رسولؐ کا مقام منفرد اور بے مثال ہے۔ بیسویں صدی میں امت انتشار کے دہانے پر کھڑی تھی، چنانچہ اقبالؒ نے اپنی شاعری، خطبات اور تحریروں کے ذریعے مسلمانوں کو وحدت اور اجتماعی تشخص اختیار کرنے کی تلقین کی۔ ان کے نزدیک کسی بھی الٰہی انقلاب کی کامیابی امتِ

اسلامیہ کے عملی اتحاد کے بغیر ممکن نہیں۔ اقبالؒ اسلام کو مسلمانوں کی واحد پناہ گاہ سمجھتے ہیں جہاں نسلی، لسانی یا مذہبی امتیاز کے بغیر سب کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ اسی تناظر میں وہ افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ جب نبی، قرآن، کعبہ، مفاد اور دشمن سب ایک ہیں تو پھر مسلمان متحد کیوں نہیں ہو پاتے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرَم پاک بھی، اللہ بھی، قُرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں[۲۷]

قرآن کا تصورِ امت مسلمانوں کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے ان کی بقا اور عزت وابستہ ہے۔ اگرچہ بعض امور پر ہمارا اتفاق موجود ہے، لیکن مسلکی، سیاسی، سماجی اور مفاداتی اختلافات نے ہمیں مستقل طور پر ایک دوسرے سے جدا کر دیا ہے۔ فرقہ بندی نے مسلمانوں کی بڑی تعداد کو دینی اور ملی شعور سے محروم کر دیا، یہاں تک کہ اختلاف اور تفرقہ پرستی ان کا شعار بن گیا۔ ایسے لوگوں کے نزدیک وحدتِ ملت ایک بے وقعت تصور بن چکا ہے۔ اسی صورتِ حال سے نجات کے لیے علامہ اقبالؒ نے ضربِ کلیم میں یہ پیغام دیا ہے:

خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو وہ سجدہ
جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیغام[۲۸]
خودی میں ڈوب زمانے سے نا امید نہ ہو
کہ اس کا زخم ہے درپردہ اہتمام رفو
رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ و یکتا
اتر گیا جو تیرے دل میں لا شریک لہ[۲۹]

علامہ اقبال جیسے مخلص مفکر کی مسلمانوں کو بیدار کرنے اور انہیں ان کے اصل مقام سے روشناس کرانے کی جدوجہد ملت بالخصوص نوجوانوں کے لیے دائمی رہنمائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگر آج ان کے پیغام کو مشعلِ راہ بنا کر دین کی سربلندی کے لیے عمل کیا جاتا تو امت بہت سے مظلوموں کی داد

رسی کے قابل ہوتی، مگر حقیقت یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ ایک بے جان وجود کا منظر پیش کر رہی ہے۔ اقبال نے قرآن کی تعلیمات کے ذریعے امت کو از سرِ نو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ موجودہ دور میں بے دینی، عریانی، فحاشی اور غیر اخلاقی ادب سے نجات حاصل کرنی کی تلقین کی ہے، جس کے اثرات مسلمانوں میں بھی پیوست ہو چکے ہیں۔ ایسے حالات میں فرقانِ حمید، سیرتِ نبوی ﷺ، اسلاف کے مثبت کارناموں اور علامہ اقبال کے کلام کا سنجیدہ مطالعہ نہایت ضروری ہے، تاکہ قرآن میں دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرنے کے اصولوں کی وضاحت کلامہ اقبال میں پائی جاتی ہے۔

ظاہر میں تجارت ہے، حقیقت میں جُوا ہے
سُود ایک کا لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات
یہ عِلم، یہ حِکمت، یہ تدبُّر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہُو، دیتے ہیں تعلیمِ مساوات
بے کاری و عُریانی و مے خواری و اِفلاس
کیا کم ہیں فرنگی مَدنیّت کے فتوحات[۳۰]

اقبال نے امت مسلمہ میں قیادت کے فقدان، خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں میں پائے جانے والے اس خلاء کو پر کرنے کے لئے صرف نوحہ اور آہ و بکا نہیں کی، بلکہ آپ نے اس ذمہ داری کو اپنی توانائی و صلاحیت کے مطابق نبھانے کے لئے مسلم لیگ کی صدارت کی ذمہ داری کو قبول کیا۔ اس مسلم نوجوانوں کو چاہئے کہ وہ وحدت کے لئے کام کریں، تاکہ وہ دنیا میں سُرخ رو ہو سکیں۔

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند[۳۱]

اقبال کے نزدیک امتِ مسلمہ کا ایک بنیادی مسئلہ یہ تھا کہ مسلمان اپنے حالات اور لائحۂ عمل سے ناواقف ہو چکے تھے۔ اسی لیے انہوں نے خطبۂ الہ آباد میں وحدتِ امت کو اسلامی ریاست کے عملی خاکے کی صورت میں واضح کیا۔ اقبال جانتے تھے کہ انگریزوں نے مسلمانوں میں اسلامی وحدت کو کمزور کرنے کے لیے علاقائی قومیت کو فروغ دیا، جس میں بعض مسلمان شخصیات بھی الجھ گئیں اور ملی تصور کے بجائے

قومیت وعلاقائیت کو اپنانے لگیں۔ اس فکری جمود کو توڑنے کے لیے اقبال نے اپنے کلام کو ملت کے تصور اور مقاصدِ امت کی تعلیم کا ذریعہ بنایا اور قومیت کے مقابلے میں ملت کے شعور کو اجاگر کیا۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی[۳۲]

توحید کا راز، تصور ملت میں پنہاں ہے اور توحید مسلم اُمت کو احکام الٰہی سے وفاداری کا طلبگار ہے بہت سے افراد اور جمعیتیں توحید کا لفاظی پرچار کرتے ہیں اُنہوں نے اس کے مغز کو اپنے اندر جذب نہیں کیا۔ کلام اقبال جس وحدت کا تصور پیش کرتا ہے وہ باطل سے مکمل بے زاری کا خاکہ پیش کرتی ہے وہ حق پرستی اور قانون الٰہی کے بنیاد پر انسانوں کی وحدت کا خواہاں ہے۔

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے
تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگاہی کیا
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ جس کو ہم اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی[۳۳]

اُنیسویں صدی سے لے کر دور حاضر تک مسلم اُمت، تصور وحدت سے کوسوں دور ہے کہیں علاقائی تو کہیں خاندانی اور لادینی نظام زندگی کے گرویدہ ہیں اسی لئے علامہ اقبال ملت اسلامیہ کو ہمہ گیر سطح پر ایک پُرجلال اور حقیقت سے آراستہ نظام کے نظریئے کے طور پیں کرتے تھے اُن کا کلام مسلم اُمت کی تاریخ میں وسعت کے بنیاد پر عدیم المثال نظریہ ہے۔ وہ مسلمانوں کو اتحاد واتفاق اور توحید کے بنیاد پر ایک دیکھنا چاہتے تھے اُن کے کلام میں یگانگت اور حب انسان کا بے مثال سبق ملتا ہے۔ انہوں نے ایک نظم 'بزمِ انجم' میں ستاروں کو موضوع بنا کر باہمی اتحاد کی اہمیت کو قلم بند کیا ہے:

اک عمر میں نہ سمجھے اس کو زمین والے
جو بات پاگئے ہم تھوڑی سی زندگی میں
ہیں جذبِ باہمی سے قائم نظام سارے
پوشیدہ ہے یہ نکتہ تاروں کی زندگی میں[۳۴]

وحدت کے فہم میں حج اسلام کے نظامِ زندگی کا ایک آفاقی تصور ہے، کیونکہ یہ واحد فریضہ ہے جس میں روحانی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی برکات بیک وقت جمع ہوتی ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی صدا پر لبیک کہنے والی سعید روحیں آج بھی کعبہ کی طرف رخ کرتی ہیں۔ اگرچہ دنیا میں بے شمار اجتماع اور عبادت گاہیں ہیں، مگر جو عظمت، آفاقیت، روحانیت اور وقار خانۂ کعبہ کو حاصل ہے، وہ کسی عالمی تہذیب میں نہیں ملتا۔ علامہ اقبال نے وحدتِ امت کے مقاصد کو تصورِ توحید اور انبیاء کی تعلیمات سے جوڑ کر اس کی ناگزیر اہمیت واضح کی اور اپنے فکر و کلام کے ذریعے ملتِ اسلامیہ کی معنویت کو روشن اور نمایاں کیا۔

ہر کہ در اقلیم لا آباد شد
فارغ از بند زن و اولاد شد
می کند از ماسوا قطع نظر
می نہد ساطور بر حلق پسر[۳۵]

ترجمہ: جو کوئی توحید کی ولایت میں آباد ہوتا ہے وہ زن و اولاد کے بندھن سے آزاد ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص غیر اللہ سے لاتعلق ہو جاتا ہے پھر وہ بیٹے کی گردن پر بھی چھری رکھ دیتا ہے۔

مسلمان کے لئے ملت رحمت ہے کیونکہ اُن کی خوبی اور خوش قسمتی ملّت ہی کے ذریعے کمال درجہ تک پہنچ سکتی ہے اسلئے مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا اور اپنے وجود کو حق کے ساتھ گل مل جانا اُن کی حقیقت کو چار چاند لگاتا ہے اور غیر شعور لوگوں کے آزاد ہنگامے کی رونق بننے سے محفوظ رہتا ہے۔ ملت بحیثیت جماعت کی ضرورت اور اہمیت کو اِن الفاظ میں بیان کرتا ہے

فرد را ربط جماعت رحمت است
جوہر اورا کمال از ملّت است
تا توانی باجماعت یار باش
رونق ہنگامۂ احرار باش

فرد تا اندر جماعت گم شود
قطرہ وسعت طلب قلزم شود
فرد تنہا از مقاصد غافل است
قوتش آشفتگی را مائل است[۳۶]

بیسویں صدی میں پوری عالمگیر سطح پر سیاسی بساط تغیر پذیر ہوئی اور ہر آن تبدیلی کے آثار نمایاں ہونے لگے سیاسی طور غالب طاقتیں کمزور پڑھ کر اپنا وجود بچانے میں لگ گئے۔ برطانوی سامراج، جو طاقت کے عروج پر ہونے کی وجہ سے اپنا دبدبہ قائم کی ہوئی تھی اور جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہاں سورج غروب نہیں ہوتا اُس کی سیاسی بالادستی لب دام پہنچ گئی تھی۔ ہر قوم کے اندر سیاسی بیداری کے اثرات واضح دِکھانے لگے ہندوستان کے اندر بھی سیاسی بیداری پیدا ہو رہی تھی اور یہاں کے دونوں بڑے مذہبی گروہ ہندو اور مسلمان برطانوی تسلط کے خلاف نہ صرف متحرک ہو چکے تھے بلکہ مذہبی شخصیات نے میدانِ عمل میں اپنا لوہا منوایا۔ ان کی کوششوں کا رخ قدرے مختلف تھا، تاہم وہ سب انگریزی تسلط سے نجات کے لئے جدوجہد کر رہے تھے۔ بہت سی سیاسی تحریکوں کے ساتھ ساتھ سماجی تحریکات کا کردار ہر صاحبِ دل کو بے چین کر دینے کے لئے کافی تھے۔ اقبال کی دوراندیش اور بصارت اور دانش نورانی نے اِن مناظر کو اچھی طرح سمجھ لیا مگر عالمی سطح پر مسلمانوں کی نظریں اس تبدیلی تک بحیثیت ملت رسائی حاصل نہیں کر پائے جستجو کا وہ مادہ جو ایک مردِ فقیر کی شخصیت کا خاصہ ہو سکتا ہے، ان کی تمام شاعری میں نمایاں ہے۔ اسی عنصر کی کارفرمائی تھی کہ علامہ نے فارس کی تہذیب پر مابعد الطبیعیات کا مطالعہ کیا اور مذہبی افکار کی تہذیبِ نو پر کام کیا۔ انہوں نے مولانا رومی سے لے کر ابن عربی اور نطشے تک کے افکار کو دیکھا اور پرکھا۔ اور نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا کی تہذیبی اور سیاسی زندگی کا مطالعہ کیا تو امتِ مسلمہ کی حالتِ زار پر تڑپ اٹھے۔ اقبال نے اسلامی دنیا کے مسائل کا عملی حل وہی پیش کیا جو قرونِ اولیٰ میں کامیاب ثابت ہو چکا تھا۔ اقبال کے پیغام کا خلاصہ اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو وہ یوں ہو گا کہ ''مسلمانوں کو اپنی اصل کی طرف لوٹنا ہو گا!۔''

عرب کے سوز میں ساز عجم ہے
حرم کا راز توحید امم ہے
تہی وحدت سے ہے اندیشۂ غرب
کہ تہذیب فرنگی بے حرم ہے[۳۷]

کلام اقبال میں جابجا اس بات کو تاکید کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کا طرز عمل یہ ہے کہ وحدت اور اجتماعیت قائم کی جائے قرآن نے اس تصور کو یوں بیان کیا ہے کہ

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ

بے شک تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو میری عبادت کرو۔[۳۸]

اس کے علاوہ قرآن نے واشگاف انداز میں بیان کیا ہے کہ مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے اگر اِن کے درمیان کوئی نزاع پیدا ہو جائے تو اِن کے درمیان صلح کروائی جائے۔ اس طرح کی بے شمار آیات قرآن میں مقصدِ اُمت کو بیان کرتی ہیں علاوہ ازیں حضرت عمر کا قول اس بارے میں کافی اہمیت کا حامل ہے:

لا اسلام الا بالجماعة ولا جماعة الا بالامارة ولا امارة الا بالطاعة[۳۹]

ترجمہ: جماعت کے بغیر اسلام نہیں اور امارت کے بغیر جماعت نہیں اور اطاعت کے بغیر امارت نہیں

علامہ اقبال نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا کہ اگر وہ بحیثیت مسلمان زندہ و جاوید رہنا چاہتے ہیں تو اُن کو ملت میں اپنے آپ کو گم کرنا لازمی ہے اس طرح ایک عالم گیر ملت اور اُس کے خدوخال انسانی بقاء کے لئے تعمیر کرنا اور اُس کے اصول وضوابط کو اپنانا لازمی ہے وہ اپنے شاعرانہ اور مجازی انداز میں مسلم اُمت کو رنگ ولسان اور علاقائیت کے بتوں کو توڑ کر ایک ملتِ بیضا کی شکل میں متحد ہو جانے کی تلقین کر رہے تھے اس لئے مسلمانوں نے جو مصنوعی دیواریں کھڑا کی ہیں جن کی بنیاد قوم، نسل، وطن اور علاقائیت پر منحصر ہے اُن سے وہ انتشار میں ملوث ہوگئے حتیٰ کہ پوری نوعِ انسانی کا شیرازہ منتشر ہو کے رہ گیا ہے انسان ایک دوسرے کے دشمن بن کے رہ گئے اس لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں؛

یہی مقصودِ فطرت ہے ، یہی رمز مسلمانی
اُخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی
بُتانِ رنگ و خُوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی ، نہ ایرانی نہ افغانی[۴۰]

بلا شبہ علامہ اقبال اسلام کا علمبر دار اور فدائی رسول اللہ ﷺ تھے اس لئے انہوں نے اسلام کو اپنے کلام میں ابدی، ازلی اور آفاقی و عالمگیر مذہب اور تاحیات پیغام الٰہی قرار دیا ہے اس دین کا مقصد نوعِ انسانی کو ایک چھت کے نیچے بغیر کسی تفریق اور امتیازی سلوک کے ملتِ واحدہ کے تصور پر جمع کرنا

ہے کیونکہ انسان اللہ کی پیدا کردہ مخلوق ہے اور ایک ہی زوج آدم و حوّا کے اولاد ہونے کے ناطے پیدائشی طور ایک ہی ملت کے افراد ہیں مگر یہ مختلف قوموں میں منقسم ہو کر اپنی اصلیت کھو بیٹھے۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کو مقصد ملت اپنے وجود کا حصہ ماننا چاہئے اور ایمان کی طرح اس تصور پر کاربند رہنا چاہئے اس طرح عرب و عجم کے مسلمان ایک ہی ملت اور ایک ہی وحدت کے پیروکار بن کر رہیں۔ علاوہ ازیں بہت سے ناقدین، علامہ اقبال کو وطنیت کا پرستار گردانتے ہیں جب کہ علامہ اقبال نے ۱۹۳۸ء میں اس کی تردید کر کے اپنے ایک اہم مضمون میں یوں وضاحت پیش کی ہے۔

> میں نظریۂ وطنیت کی تردید اس زمانے سے کر رہا ہوں، جب کہ دنیائے اسلام اور ہندستان میں اس نظریے کا کچھ ایسا چرچا بھی نہ تھا۔ مجھ کو یورپین مصنفوں کی تحریروں سے ابتدا ہی سے یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی تھی کہ یورپ کی دلی اغراض اس امر کی متقاضی ہیں کہ اسلام کی وحدتِ دینی کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی حربہ نہیں کہ اسلامی ممالک میں فرنگی نظریۂ وطنیت کی اشاعت کی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں کی یہ تدبیر جنگ عظیم میں کامیاب ہو گئی"۔ وہ مزید لکھتے ہیں: "اگر بعض مسلم علما اس فریب میں مبتلا ہیں کہ 'دین' اور 'وطن' اسی تصور کے تحت یک جا رہ سکتے ہیں تو میں مسلمانوں کو ہر وقت متنبہ کرتا ہوں کہ اس راہ کا مرحلہ اوّل تو لادینی ہو گی، اور اگر لادینی نہیں تو اسلام کو محض ایک اخلاقی نظریہ سمجھ کر اس کے اجتماعی نظام سے لاپروائی ہو گی۔[۴۱]

اس عہد میں نہ صرف ایک حیات بخش اور فکر انگیز فضا میں سانس لینے کے لئے حالات پیدا کئے اور کہنہ اذکار رفتہ اور لغو مضامین و موضوعات کے گرد گردش کرنے سے اسے نجات دلائی بلکہ علامہ اقبال مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کے شیدائی اور اسلامی وحدت کے حاملین میں سے تھے تاکہ فکرِ اسلامی درست و صحیح سمت پر قائم رہے۔ وہ حقیقت سے آشنا تھے اور وحدت کی ادراک و فہم کو اپنے اندر جذب کر لیا انہوں نے پہلے جو بھی نظمیں قوم کے حق میں کہی اُن کا نظریہ تبدیل کر کے ملت کے تصور کے پرستار ہو گئے اس طرح اُنہوں نے ملت کی بنیاد دین اسلام قرار دیا ہے۔ وہ مغربی فلسفہ قومیت جس کی بنیاد ملک و نسب، نسل، وطن، جغرافیائی اور لِسانیت کو تقسیم مغرب کا چھوڑا ہوا فساد انگیز نظریہ مانتے ہیں۔ مغرب کی اس سازشی نظریئے کو ناکام بنانے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اِنہوں نے مُحبّانِ اسلام کو نظریۂ ملت کا پیغام دیا تاکہ مسلمانانِ عالم اپنا کھویا ہوا مقام ایک بار پھر حاصل کر سکیں۔ اُن کے ابتدائی نظموں میں قومیت کا جو تصور پایا جاتا ہے وہ رنگ و نسل پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُس میں مسلمانانِ ہند کو ملت کا پیغام دینا مقصود تھا اور اسلام کی سربلندی کے ساتھ گہری محبت اور غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کا

اظہار کیا گیا ہے۔ سیاسی مغلوبیت کو خیر باد کرنے اور اپنے وقار کو بلند کرنے اور دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام واپس حاصل کرنے کی تعلیمات کا فلسفہ اپنے نثری و شاعرانہ کلام میں قلم بند کیا اس کی مثال اُن کے ایک نظم 'تصویر درد' میں قسمت پر آنسو بہاتے ہوئے لکھی گئی ہے

رُلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردُوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جائو گے اے ہندوستاں والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں [۴۲]

اس زمانے کی 'ترانہ ہندی'، نظم 'ہندستانی بچوں کا گیت' ان کی وہ مشہور اور مقبول نظمیں ہیں ہے جو ہر ایک کی زبان پر ہے۔ اس میں انتہائی دل نشین طریقے سے ملت کے نظرئے کو اپنے وطن کے ساتھ گہرے لگاؤ اور محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اِن نظموں میں ایک ایک لفظ سے وطن پرستانہ خداخال پہن کر ملت کے جذبات کا اظہار ہوتا ہے اگر "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" کے ساتھ ساتھ اس کے دوسرے اشعار "اے آب رودِ گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو - اُترا تیرے کنارے جب کارواں ہمارا" تو یہ شک آسانی کے ساتھ دور ہو جائے گا کہ وہ وطن کو مثال بنا کر ملت کا درس دیتا تھا۔ علاوہ ازیں کہ "بندہ کلیم جس کے 'پربت جہاں کے سینا" کو میرا وطن ہی ہے۔۔۔۔" کے ساتھ ملا کر سمجھنے کی ذرا بھی کوشش کی جائے تو اس سے بھی اسلام کی عالم گیریت کا نظریہ اور تصور سمجھ آسکتا ہے۔

سارے جہاں سے اچھا ہندستان ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا
اے آب رود گنگا وہ دن ہے یاد تجھ کو
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا [۴۳]
بندے کلیم جس کے، پربت جہاں کے سینا

نوحؑ نبی کا آ کر ٹھیرا جہاں سفینا
رِفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے[۴۴]

علامہ اقبال وطنیت کو اسلام کی عالم گیر روح کے منافی خیال کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ اس نئے بت کو توڑنا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ بانگِ درا کی ایک نظم 'وطنیت' جس کا ذیلی عنوان ہے: "وطن بحیثیت ایک سیاسی تصور کے"۔ انھوں نے بڑی وضاحت سے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہے:

اس دور میں مے اور ہے، جام اور ہے جم اور
ساقی نے بناکی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خدائوں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے، وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بت کہ تراشیدۂ تہذیب نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دین نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے، تُو مصطفوی ہے[۴۵]

علامہ اقبال کے فارسی کلام میں 'مسلم وحدت' کو عالمگیر نظریئے کے طور پیش کرکے مزید وضاحت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو مقاصد عصر حاضر اور زندگی بعد از موت سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

ما مسلمانیم و اولاد خلیل
از ابیکم گیر اگر خواہی دلیل
اصل ملّت در وطن دیدن کہ چہ
باد و آب و گل پرستیدن کہ چہ

بر نسب نازاں شدن نادانی است
حکم او اندر تن و تن فانی است
ملّت ما را اساسِ دیگر است
ایں اساس اندر دل ما مضمر است
حاضریم و دل بغائب بستہ ایم
پس زبند این و آں وارستہ ایم
مدّعائے ما ، مآل ما یکے ست
طرز و انداز و خیالِ ما یکے ست
ما ز نعمت ہائے او اخواں شدیم
یک زبان و یک دل و یک جاں شدیم[۴۶]

ہم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں اور اس کی دلیل قرآن کی آیت ملّۃ ابیکم ابراہیم ہے۔ قوم کی بنیاد کو وطن، مٹی اور پانی سے جوڑنا محض فریب ہے، اور نسب پر فخر جسمانی نسبت ہونے کے باعث بے معنی ہے، کیونکہ جسم فانی ہے۔ ہماری قومیت کی اصل بنیاد دل میں پیوست ایمان ہے۔ ہم دنیا میں موجود ہو کر بھی اپنے دل کو اللہ سے وابستہ رکھتے ہیں، اسی لیے ہر محدود وابستگی سے آزاد ہیں۔ ہمارے افکار اور اقدار یکساں ہیں اور اسلام کی نعمت نے ہمیں ایک زبان، ایک دل اور ایک جان بنا دیا ہے۔

حضرت کعب بن زہیرؓ نے جب 'قصیدہ بردہ' کہا تھا تو انھوں نے اس میں آپؐ کی شان جو بعد از خُدا سب سے مضبوط ذریعہ استحکامت و ذریعہ وحدت ہے یہ شعر بھی کہا تھا کہ:

ان الرسول لنور یستضاء بہ
وسیف من سیوف اللہ مصلول

ترجمہ: رسولؐ کی ذات بلاشبہہ نور کی مانند ہے جس کے ذریعے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اللہ کی تلواروں میں سے سونتی ہوئی ایک تلوار ہیں۔

اس کی عملی مثال پیش کرتے ہوئے علامہ اقبال ایک جگہ کہتے ہیں۔

اسود از توحید احمر می شود
خویش فاروق و ابوذر می شود[۴۷]

ترجمہ: توحید کے ذریعے کالا گورا بن جاتا ہے، یعنی اس کا ہمسر بن جاتا ہے اور حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابو ذرؓ کا قرابت دار ہو جاتا ہے۔

وہ مزید کہتے ہیں۔

ہر ملک ملکِ ما ست کہ ملکِ خدائے ماست[۴۸]

ترجمہ: ہر ملک ہمارا ملک ہے کیونکہ ہمارے خدا کا ملک ہے۔

اسلام کے علاوہ کسی اور بنیاد پر اجتماعیت فتنوں اور عذابِ الٰہی کی باعث بن سکتی ہے، جبکہ دین کی بنیاد فطرت کے ساتھ ساتھ عملی زندگی پر منحصر ہے۔ مسلم اجتماعیت کے لیے عقیدہ توحید و رسالت کو مستحکم کرنے کی ضرورت کے ساتھ ساتھ اس کی ترویج کی بھی ضرورت ہے۔ اس مصطفوی تنظیم وافکار ملت میں عدل وانصاف کی ترویج اور استحکام پوشیدہ ہے اس لئے دنیا کے ظالمانہ اور مقہورانہ نظام سے جان چھڑانے کے لیے اسلامی اجتماعیت کی استحکام لازمی ہے۔ اُمت کے تصور عمدہ طریقے اور آسان زبان میں سمجھنے کے لئے "نظریہ حج" سب سے اہم ہے اس سے بڑھ کر مسلمانوں میں بھائی چارہ اور دنیا بھر کے مسلمان کو ایک ساتھ وحدت بن کر لبیک اللّٰھم لبیک کے صدائیں لگاتے کہیں نہیں دیکھا گیا اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی انسانی اجتماعت نہیں ہوتا ہے جہاں سبھی ایک ہو جاتے ہیں نہ کوئی امیری کے دلدل اور نہ کوئی منصبدار اپنے کو بڑا پیش کر کے علیحدگی اختیار کرتا ہے۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہیں محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

انسانی تفریق؛ امیر و غریب، بادشاہ و رعایا سب ایک ہی صف میں کھڑے دو چادروں میں لپٹ کر رب کے حضور عجز و انکساری کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ حج اتحاد امت کا سب سے بہترین اور موثر ذریعہ۔ بیت اللہ وہ واحد مقام ہے جہاں سارے دنیا کے مسلمان لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں حج اصلاح وتربیت، عجز وانکساری، نخوت و تکبر سے تخلی، اور اظہار بندگی کا بھی ایک عظیم ذریعہ ہے لہذا ایک حاجی جب احرام کی دو چادریں پہنتا ہے تو وہ بندگی کی اس دہلیز پر قدم رکھ دیتا ہے جہاں سے تکبر، غرور اور خود غرضی مٹ جاتی ہے اور وحدت کی خودی شروع ہو جاتی ہے اور نبی ﷺ کے اُمتی کا پیغام انسان کے وجود میں سرایت کر جاتا ہے اس سے انسانی تکبر اور غرور مِٹ کر انسان حقیقت کے دنیا میں قدم رکھتا ہے دنیا کے پھندوں سے آزاد ہو کر اُمت کا پیکر بن جاتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائلانہ،

قومیت، نسل پرستی اور نسانیت نے کھڑے کیے گئے ظالمانہ رواج کے خلاف چودہ صدی قبل ہی اپنا آفاقی پیغام سنادیا تھا۔

سنو!تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری عزت وآبرو ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح آج کا مقدس دن، یہ مہینہ اور اس شہر مکہ میں تم ایک دوسرے پہ حرام ہو۔ تم میں سے جو لوگ موجود ہیں وہ پیغام ان لوگوں تک پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں[۴۹]۔ اگر آج کے حکمران عالم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلیدی خطاب پر عمل پیرا ہوتے ہوئے حکومت کی باگ ڈور سنبھالیں تو حقوق انسانی کی پاسداری کے لیے کسی عالمی تحریک کی ضرورت پڑے گی، نہ کسی کانفرنس کی، اور نہ ہی دہشت گردی کے اس قدر واقعات رونما ہوں گے، جس کی زد میں آج دنیا کے تقریباً سبھی ممالک شامل ہیں۔

نتیجہ جو اخذ کیا گیا

اسلام ایک عالمگیر نظریہ حیات ہے اور یہ انسانیت کے لئے بحیثیت رحمت نازل کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تک اس کا ایک ہی مقصد ہے کہ تمام انسانوں کی وحدت قائم کی جائے اور انسانوں کے درمیاں فساد اور اختلاف کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کیا جائے۔ کیونکہ ہابیل اور قابیل کے جھگڑے نے انسانوں کے درمیاں ایک نیا محاذ کھول دیا ہے جس کی بنیاد ہوس پر رکھی گئی ہے اور رشتہ برادری اوراخوت و بھائی چارہ قتل میں تبدیل ہوگیا۔ اس طرح کی نفس پرستی نے خدادشمنی کو جنم دیا ہے معبود اور معابد الگ الگ ہوگئے انسان مختلف فلسفہ زندگی میں بٹ گئے اس اختلاف کا اثر اتنا زیادہ ہوگیا کہ مسلمان بھی اس فلسفے کے شکار ہوگئے عصر حاضر کے تناظر میں دیکھا جائے تو مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں کہیں سیاست، کہیں عبادت اور کہیں سماجیت میں ایک دوسرے کے خلاف ہوگئے علاوہ ازیں انہوں نے اب عبادت خانے بھی الگ کردیے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو حق کی راہ اختیار کرنے کے لئے رسولوں اور نبیوں کا سلسلہ جاری کیا تاکہ پھر سے خون کے پیاسے انسان ایک بار پھر انسانیت کے عظیم مقصد پر کھڑا ہو سکیں لیکن انسان اپنی خودغرضی سے اللہ سے اتنا دور ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید میں واضح کرنا پڑا کہ مسلمان ایک ہی اُمت ہے۔ اس کے بعد قرآن کو حبل للہ کے طور پیش کیا گیا جو علامہ اقبال کے مطابق نجات کی راہ ہے انہوں نے قرآن کو روشنی، ھدایت اور نور سے تعبیر کیا ہے اس تمام کے پیچھے ایک ہی مقصد ہے کہ مسلمان ایک ملت ہے یہ نظریاتی اور فکری طور بھی ایک وحدت کے ساتھ ہی کھڑا ہو سکتے ہیں اس وحدت کی بنیاد کلمہ توحید اور

اس کا روشن مستقبل رسول اللہ کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے اس لئے تصور ملت یا اُمت اصل میں وحدت کا تقاضا کرتی ہے۔ کلام اقبال میں ملت / وحدت کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کے لئے ملت شہ رگ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کا وجود، شعور اور انجامِ آخرت منسلک ہے اس کے بغیر نہ اُن کا وجود باقی رہ سکتا ہے اور نہ ہی انجام خیر پر ہو گا۔ اقبال کے کلامِ نظم و نثر کے تجزئے سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عصر حاضر میں مسلمانوں کی بدحالی کا نتیجہ بھی وحدت کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ اگر غیر اقوام کو دیکھا جائے تو وہ ایک دوسری کی مدد اور مختلف انداز سے ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے ہوئے ہیں اس لئے اگر مسلمان اپنے بقاء اور وجود کو زندہ رکھنا اور سُرخ رو ہونا چاہتے ہیں تو اقبال کلام کو مضبوطی سے تھامنا لازمی ہے اس کے فلسفے کو اپنی زندگی کا شعار بنانا ہو گا اس کے ہر جملے کو اپنے لئے جوئی رحمت اور اس کے عاید کردہ منکرات کو اپنے لئے زہر ہلال، تصور ہی نہیں بلکہ موت کے برابر ماننا ہو گا۔ اس تصور وحدت کی اہمیت کو سمجھنے اور اُس کے ہر پہلو کی نشان دہی کر دی اس لئے یہ کہنا بجا ہو گا کہ اقبال اُمت کا سالار عجم ہے جس نے اُمت کے تصور کے خاطر ہر ایک یعنی اپنوں کی بھی اور غیروں کی بھی تنقید سہ لی لیکن مقاصد اُمت کی اہمیت، افادیت اور ضرورت کی وضاحت کو کبھی بھی دوسروں کی طرح اندھیرے کنویں میں دھکیل نہیں دیا۔ اس لئے وقت کی ضرورت ہے کہ ہر مسلمان اُمت / ملت کا اعلیٰ کار بن جائے تا کہ پھر سے مقاصد اُمت حاصل ہو سکیں۔

حوالہ جات و حواشی

---

۱ کلیات اقبال (اردو) بانگ درا، غلام علی اکادمی، لاہور، ص۔۲۸۸ / ۲۶۰

۲ ایضاً، ص:۲۸۹ / ۱۶۰

۳ کلیات اقبال (اردو) ضرب کلیم، غلام علی اکادمی، لاہور، ص:۴۶۳ / ۵۰۳

۴ کلیات اقبال (اردو) بال جبریل، غلام علی اکادمی، لاہور، ص:۴۷۷/۴۳۹

۵ ضرب کلیم:۵۳۷/۴۸۷

۶ بانگ درا، ص:۱۸۷/۱۶۰

۷ طلوع اسلام، بانگ درا، ص:۳۰۰/۲۶۹

۸ ترانۂ ملّی، بانگ درا، ص:۱۸۶/۱۵۹

۹ ضرب کلیم، ص:۵۳۷/۱۸

۱۰ بانگ درا، ص:۱۹۰/۲۱۷

۱۱ مکتوب بنام سید محمد سعید الدین جعفری مشمولہ خطوط اقبال، مرتبہ رفیع الدین ہاشمی، ص:۱۶۶

۱۲ بانگ درا، ص:۹۳/۵۳

۱۳ ایضاً، ص:۱۹۰/۲۱۷

۱۴ بال جبریل، ص:۵۴۷/۲۹

۱۵ ایضاً، ص: ۳۰۷/۶۷

۱۶ بال جبریل، ص:۳۵۷/۳۴

۱۷ ارمغان حجاز، ص:۳۳۸/۲۵۸

۱۸ بانگ درا، ص؛۲۳۱/۲۲۶

۱۹ ارمغان حجاز، ص:۵۲۷/ ۲۴۵

۲۰ ارمغان حجاز، ص:۳۴۷/۲۵۴

۲۱ بال جبریل، ص:۶۸۷/۱۷۸

۲۲ بانگ درا، ص:۲۹۵/۳۰۱

۲۳ ضرب کلیم، ص؛۶۷۱/۱۶۱

۲۴ ضرب کلیم، ص:۵۶۳/۴۶

۲۵ بال جبریل، ص:۳۸۶/۸۴

۲۶ ضرب کلیم، ص: ۶۵۲/ ۱۴۲

۲۷ بانگ درا، ص: ۲۳۰/ ۲۲۴

۲۸ ضرب کلیم، ص: ۶۷۱/ ۱۶۳

۲۹ ایضاً، ص: ۶۷۵/ ۱۷۶

۳۰ بال جبریل، ص: ۴۴۵/ ۱۶

۳۱ بال جبریل، ص: ۴۸۴/ ۲۰۶

۳۲ بانگِ درا، ص: ۲۷۷/ ۲۷۹

۳۳ ایضاً، ص: ۲۸۱/ ۲۸۶

۳۴ ایضاً، ص: ۲۰۲/ ۱۹۲

۳۵ کلیات اقبال [فارسی] اسرارِ خودی: دربیان اینکہ تربیت خودی راسہ مراحل است مرحلۂ اول رااطاعت و مرحلۂ دوم راضبط نفس، و مرحلہ سوم رانیابت الٰهی نامیدہ اند، ہر کہ در اقلیم لا آباد شد

۳۶ کلیات اقبال [فارسی] در معنی ربط فرد و ملت، در معنی اینکہ ملت از اختلاط افراد پیدا میشود و تکمیل تربیت او از نبوت است: از چہ روبربستہ ربط مردم است

۳۷ بال جبریل، ص: ۴۰۷/ ۱۱۷

۳۸ سورہ الانبیاء: ۹۲

۳۹ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ النبویۃ، تحقیق: ڈاکٹر محمد رشاد سالم، دار المعرفۃ، بیروت، جلد ا، ص ۱۴۶

۴۰ بانگ درا، ص: ۳۰۰/ ۳۰۱

۴۱ طاہر فاروقی، سیرت اقبال، قومی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۹۳، ص: ۳۰۹–۳۱۱

۴۲ کلیات اقبال (اردو)، بانگِ درا، الحسنات بکس، پرائیوٹ لمیٹڈ، ایڈیشن ۲۰۱۹، ص: ۴۷–۴۸/ ۶–۶۸

۴۳ ایضاً، ص: ۵۷/ ۵۹

۴۴ ایضاً، ص: ۶۰/ ۷۲

۴۵ ایضاً، ص: ۱۳۲–۱۳۳/ ۱۲۰–۱۲۱

۴۶ کلیات اقبال، (فارسی) رموزِ بے خودی: ارکان اساسی ملیہ اسلامیہ، رکن اول: توحید

---

۴۷ ایضاً: رموزِ بے خودی: ارکان اساسی ملیہ اسلامیہ، رکن اول: توحید

۴۸ کلیات اقبال (فارسی)، پیامِ مشرق: الملک اللہ

۴۹ بخاری کتاب العلم، بحوالہ سفر حجاز